شورش کاشمیری مرحوم

حسنِ انتخاب

شاہی مسجد کا خط اللہ میاں کے نام

یارب کعبہ! میں ایک دکھیاری لڑکی ہوں۔ تو علام الغیوب ہے۔ تجھ سے بہتر کون جانتا ہے۔ کہ مجھ پر کیا بیت رہی ہے۔ کئی دنوں سوچ وچار کے بعد میں نے کچھ کہنا چاہا ہے۔۔۔ میرے احساسات حد درجہ مجروح ہیں۔ لیکن یہ الفاظ ان زخموں کی روداد کہ نہیں سکتے۔ یہ زیادہ سے زیادہ مرہم ہیں یا پٹی۔۔ میرا رنگ و روغن جو اکھڑ چکا تھا اب اسے دو سو سال کی گردش کے بعد غازے کا سہارا دیا جا رہا ہے۔ میرے ظواہر کی آرائش ہو رہی ہے۔ میری جھریوں کی کایا کلپ کے لئے شبانہ روز محنت سے کام لیا جا رہا ہے۔۔۔ لیکن میرا اضطراب جوں کا توں ہے۔ میرا کرب انگاروں سے زیادہ تیز اور تلواروں سے زیادہ بے باک ہے۔ میں کعبۃ اللہ کی بیٹی ہوں۔۔۔ چند چہیتی اور نامور بیٹیوں میں سے ایک ۔۔۔ لیکن دور افتادہ بیٹی، جسکی آبرو تھکی ہوئی اذانوں سے بوجھل اور گردوپیش کی تماشائی تنہائیوں سے مضمحل ہے۔ میں چوراہے میں پڑی ہوئی لاش ہوں ۔۔ باعصمت لاش، برہنہ لاش۔۔ لیکن اس پر گدھ ۔۔۔ شرعی گدھ منڈلا رہے ہیں اور جنسی کتے ہڈیاں چھوڑتے ہیں۔

میرا گوشت ہر زبان کا ذائقہ ہے۔ میری ہڈیاں ان دھنوں کے ساتھ چٹختی ہیں جنہیں رات کا بھنورا حوا زادیوں کے ہونٹوں سے اس طرح کھینچتا ہے جس طرح الھڑ دیہاتی گنے کی پوروں سے رس چوستے یا بیدرد فرمانروا رعیت کی بیٹیوں کا لہو چاٹتے ہیں۔۔۔ میں نے اپنا کاجل ان غزالوں میں بانٹ دیا ہے جن کی پیٹھ وقت کے تازیانوں سے معصیت کی ایک کھلی دستاویز بن چکی ہے۔۔۔۔۔ میرا خون عفت کی انہی قبروں کا غازۂ شب تاب ہے اور میرے یہ سفید گنبد رات کی المناک برہنگی کا سفید کفن، جن پر۔۔۔۔۔ کبھی گھرا اندھیرا چھا جاتا اور کبھی چاند کا فانوس محیط ہو کر ستاروں کی شمعیں جلاتا ہے۔۔۔۔۔ پھر کبھی چودھویں کا چاند میری برہنگی کا تماشا کرتے ہوئے۔۔۔ چپ چاپ دور تک نکل جاتا ہے۔۔۔ میں سالہا سال سے لیل و نہار کی ان گنت کھکھیڑوں کے ساتھ ساتھ۔۔۔۔ یہیں چپ چاپ بیٹھی ہوں۔ میں نے تاریخ کے ہر موڑ کی ضربیں سہی ہیں۔ میں نے سہاگ رات بھی دیکھی ہے۔۔۔۔ میری عروسی کا جشن تاریخ کی دلاویز فصل تھا۔ اعلیٰ حضرت محی الدین اورنگ زیب نے نیو اٹھائی۔ سولہ سنگھار کیا تکبیریں گونجیں۔۔۔ سجدے بکھرے۔۔ اذانیں بلند ہوئیں۔۔۔ اللہ کی عظمت کا اعتراف کیا گیا۔ قلعہ کے پٹ کھلے تو جن کے آستانہ جبروت پر وقت کی فرمانروایاں جھکتی تھیں وہ سجدہ ہائے عجز لے کر حاضر ہو گئے۔۔۔ موذن نے پکارا۔۔۔ نیکی نے صدا دی۔۔۔۔۔ فلاح نے تعاقب کیا۔۔۔۔ صلوٰۃ کی پیشوائی کو بندگان عالی متعالی آپہنچے۔۔۔ درود کے پھول برسے۔ سلام کے گجرے نچھاور کئے گئے۔۔۔ اللہ اکبر

کے شانوں پر میں نے اپنے گیسو بکھیر دیئے۔۔۔۔۔ اور ختم المرسلین کے پرچم کو اپنا آنچل بنا لیا۔ یہ میرا سولہ سنگھار تھا۔

!!۔۔۔۔۔۔۔۔ پھر بھی سورج ڈوب گیا۔ کبھی بانکے پھکیت کی طرح ٹاپتا رہا۔ کبھی شاعر کے خیال کی طرح تیزی سے پلٹا۔۔۔ کبھی ہجر کی تلخیوں میں ڈوب گیا۔ اور کبھی ان دنوں کی طرح بے قابو۔ جن دنوں اورنگ زیب، زین آبادی کو اپنے فقیہانہ تقشف کے باوصف شراب کے جام بھر بھر کر پیش کرتا اور اس ہینائے سرو قامت کے عالم نشہ و سرور کی رعنائیاں دیکھتا تھا۔

میرا شباب ڈھلنے لگا۔ میری رعنائیاں بیوہ کا سہاگ ہو گئیں۔ میری نورانی آنکھوں سے قبروں کے تاریک خلاء جھانکنے لگے۔ میرا سرخ و سفید چہرہ اس تماشائی عورت کی طرح پیلا پڑ گیا جس کی امرتیاں گنہگار ہاتھوں کے تھپیڑوں سے سوکھ کر لٹک جاتی ہیں۔۔۔۔۔۔۔ میرا وجود جو کچھ دنوں پہلے قرآن کی ایک سورت تھا اب گئے وقتوں کی ایک ہچکی رہ گیا۔ میں اوباشوں کے نرغہ میں آ گئی۔۔ حتیٰ کہ میں ایک کتبہ رہ گئی۔ جس پر کندہ تھا۔ اورنگ زیب کی یادگار۔۔۔۔۔۔۔ سیاحوں کے شوق کی مہمیز! رات تابہ کمر آ پہنچی۔۔۔ سطوت شاہی نے رخت سفر باندھا۔۔۔ مہاراج رنجیت سنگھ کے ذلہ خواروں نے شب بسریوں کے لئے میرے گردو پیش کو چن لیا اور میں "سورماؤں" کے گھوڑوں کا اصطبل بن گئی۔ موت نے نقاب اٹھائی اور مہاراجہ رنجیت سنگھ میری پائنتی کی طرف ہمیشہ کی نیند سو گئے۔۔ وقت نے پھر پہلو بدلا۔۔ اذانوں نے اپنی ہی خاکستر سے حیات پائی۔ صلوٰۃ کو سہارا ملا اور سجدوں نے سکھ کا سانس لیا۔ میں نے مانگے تانگے کا جوڑا پہنا۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔ زمانہ رقاصہ کے زاویوں کی طرح بدلتا رہا۔ لیل و نہار غزل کے ہر شعر کی طرح مختلف الاحوال ہوتے گئے میں اس صدی کے نصف اول تک آہ سرد کی طرح خاموش رہی۔ کبھی کبھار وقت کی پلکوں پر آنسوؤں کی طرح جھلملائی۔۔۔۔۔۔۔ لیکن نصف ثانی میں میرے دن لہلہا اٹھے۔۔۔۔۔۔۔ میری راتیں مہک گئیں۔۔۔ میری محرابوں کی پیشانی ان دلہنوں کی طرح درخشاں ہو گئیں۔۔۔۔۔ جن کی امیدیں نورانی خوابوں کی تعبیر سے جھلک اٹھتی اور جن کی حیا پر ملائکہ شہادت دیتے ہیں۔۔۔۔ میرا منبر ایک گود بن گیا۔۔ ماں کی گود۔۔۔۔۔۔ بہن کی گود۔۔۔۔۔۔ بیٹی کی گود۔۔۔۔ کہ ان گودوں میں قرآن کے اوراق پرورش پاتے ہیں۔

۔۔۔۔۔۔۔ یہ سرخ سلیں۔ یہ قرمزی محرابیں اور یہ سفید گنبد جانتے ہیں۔ ان کا سینہ نعرہ ہائے رستاخیز کا امانت کدہ ہے۔ یہ سلیں چپ ہیں۔ یہ محرابیں ساکت ہیں۔ یہ گنبد مہر بلب ہیں۔ لیکن انہیں حشر سے پہلے بھی کوئی تیشہ جگا سکتا ہے۔۔۔۔۔!

ان کے ہونٹ اب بھی بل رہے ہیں۔ ان میں اللہ کا کلام پیوست ہے پلستر بول رہے ہیں۔

۔۔۔۔۔ ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے۔

اور وہ سامنے کھلا دروازہ کہہ رہا ہے۔۔۔۔۔

ہائے وہ تیر نیم کش جس کا نہ ہو کوئی ہدف

پھر اس طرف محرابوں کے طاق پر روشن چراغ ابو الکلام کی خطابت کے مانند تھک کر بجھ گئے۔ اور حکیم الامت کے گداز کی طرح حرف شکایت الاپ رہے ہیں۔

---------- تاریخ کروٹ لے رہی ہے۔ سانپ کینچلی اتار رہا ہے۔ شاعر مطلع سے مقطع پر آپہنچا ہے۔ دلہن سسرال سے میکے جا رہی ہے۔ محبت ہجر کی سرحد پر وصال کا دم واپسیں دیکھ رہی ہے۔------ رات کے ماتھے سے افشاں اتر چکی اور کسی دلگداز کہانی کا تمت بالخیر ہے۔

پاکستان بن گیا۔ لاالٰہ الا اللہ کی تفسیر ہاتھ آگئی۔

ہزاروں عصمتیں دے کر ایک عصمت کی بنیاد رکھی----،

سوا سو برس پرانی-------- غلامی نے انتقال کیا---- اوامر نے علم کھولے---- نواہی کا وقت آخر آگیا--- اذانوں میں توانائی--- اور تکبیروں میں رعنائی کا گمان ہونے لگا---- دل آئینہ ہوگئے۔ چہرے بشاش---- لیکن ایکا ایکی آرزوؤں نے ٹوٹنا شروع کیا---- موتیا مرجھانے لگی---------- ایک ایک کلی جھڑ گئی---- پورا باغ ویرانہ ہوگیا۔ جس مملکت کا آغاز لاالٰہ الا اللہ پر تھا۔ اس کے ماتھے پر فاعتبروا یاولی الابصار چسپاں ہوگیا۔ میرا گردوپیش پورے معاشرے کا گردوپیش بن گیا۔

اس سب سے بڑی اسلامی سلطنت کے کارفرماؤں نے اوامر کو نواہی اور نواہی کو اوامر بنا ڈالا----!

-------- میں کعبہ کی بیٹی ہوں------ رب ذوالجلال سنگ و خشت کی یادگار---- لیکن میرے حاشیے کی کائناتی وسعت پر خون کے بے شمار دھبے ہیں--------!

ہم سب کے پالنہار! تو عرش پر ہے تو فرش پر آ! ان تکبیروں سے فائدہ؟ جو تجھے پکار نہیں سکتیں ان نمازوں کا نتیجہ؟ جو تجھے لا نہیں سکتیں اور ان اذانوں کا حاصل؟ جو تجھے جگا نہیں سکتیں۔!

میں اب کعبہ کی بیٹی نہیں۔ اس سب سے بڑی سلطنت اور پانچویں بڑی عالمی مملکت میں اورنگ زیب کی بیٹی زیب النساء کی ایک جاں ہار سہیلی ہوں---- میرا دوپٹہ فقیہہ شہر کی دستار فضلیت ہے۔ میرا آنچل فرمانرواؤں کی شب بسریوں کا پردہ ہے۔ میرے کھلے پیٹ گنبدوں میں ام المؤمنین خدیجہؓ کی دردناک چیخیں منجمند ہیں۔ میں سودہؓ کی فریاد اور حفصہؓ کا آنسو ہوں۔ میں وہ حدیث ہوں جو حضرت عائشہؓ سے فضائل نسواں کے باب میں مروی ہے۔ میں ازواج مطہراتؓ کی مقدس یادوں کا سرورق ہوں۔ میرا دل بنات طاہراتؓ کا آئینہ ہے------ میں زینب کی صدائے احتجاج ہوں------ میں ام کلثوم کا نوحہ---- اور اسماء کا شکیب ہوں---- اسماء جس نے اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیرؓ کو سرعالم میں سولی پر دیکھ کر کہا تھا۔

ابھی اس شہ سوار کے اترنے کا وقت نہیں آیا

یا حی یا قیوم۔ یہ سرخ سلیں فاطمۃ الزاہراؓ سے حیا مانگتے اندھی ہوگئی ہیں------ میرے چاروں طرف گناہ ہی گناہ ہیں۔ میں اوباشوں کے گھیرے میں اس مٹیار کی طرح ہوں جس کا وجود حریص قہقہوں سے نڈھال ہو کر تماشا ہو جاتا ہے۔

میرے گردوپیش حی علی الصلاح۔ حی علی الصلاح۔۔۔ حی علی الفلاح۔۔۔۔۔ حی علی الفلاح کی صدائیں بیکار ہیں میرے مینار میری چھاتیاں میری امرتیاں انھوں نے تماشوں کی چوٹ سے سو کھ چکی ہیں۔۔۔۔ میں ایک سناٹا ہوں جس کا کھر فقیہہ شہر کا عمامہ ہے۔۔۔ یہاں رات ڈھلتی نہیں۔ ناچتی ہے۔ گاتی ہے۔ یہ سب سے بڑی سلطنت خداد ہے۔ حاکم الحاکمین۔ لیکن اس کے حاکم تماشائی ہیں۔ اور عصمت تماشاء، وہ اس جنس کے سب سے بڑے گاہک ہیں۔ شہر کے ضمیر میں ایک کانٹا! الصلواۃ خیر من النوم الصلوۃ خیر من النوم۔ اللہ اکبر اللہ اکبر۔ لاالہ الااللہ کے کچو کے سہتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تکبیر تھکے ہارے جسموں کو جھولا دینے کے لئے ناقوس ہے۔ شب بیداری کی گھنٹی کہ لیلیٰ تھک چکی ہے۔ مجنوں جاسکتے ہیں۔

یارب العالمین۔ میں کعبہ کی بیٹی (سنگ و خشت کا پیکر) آدم کی بیٹی (گوشت پوست کا مجسمہ) کے نیلام سے اکتا چکی ہوں یہاں ہر دریچہ میں قرارداد مقاصد ہنس رہی ہے۔ ہر ڈربے میں جمہوریہ اسلامیہ کا گوشت لٹک رہا ہے۔ قرآن کی سورتیں کراہ رہی ہیں۔ داڑھیوں کو آگ لگ چکی ہے۔ قباؤں پر معصیت غرار ہی ہے اور فرزندان سلطنت ان عصمت مآب بہنوں کے غیرت مآب بھائی ہیں۔ جنہیں راون کے دیس میں سیتا سمجھ کر اٹھا لیا۔ اور اب راون کے لشکری رام کے دیس میں خیر سگالی کے نوشتے لے کر آئے ہیں۔۔۔۔ وقت کیلنڈر کے اوراق کی طرح بدل رہا ہے۔ آنچلوں میں معانقہ ہو رہا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مرا اے کاش کہ مادر نہ زادے

جن لوگوں کے لئے کبھی دل کے دروازے بند تھے۔ آج انکے لئے یںخواب کواڑ کھلے ہیں۔۔۔۔۔۔۔؟ اجودھیا میں رونق ہے۔ راون جیت گیا۔ رام ہار گیا۔ سیتا نہیں آئی۔ اپسراؤں کا مینا بازار جوانی پر ہے۔ میں تھک گئی ہوں۔

رب کعبہ! میرے میناروں کو منہدم کر دے۔ میری محرابوں کو اجازت دے کہ انہیں زمین نگل لے۔ میرے منبر کو روئی کے گالوں کی طرح اڑا دے۔ میرے وجود کو لاوا کی طرح پگھلا دے۔ میرا انگ انگ سلگ رہا ہے۔ میں شعلہ جوالا بن رہی ہوں۔ میری آگ پھیل رہی ہے۔۔۔ مجھے ایک وسیع قبرستان میں بدل ڈال کہ ان حاکموں کے لئے زمین کی پیٹھ سے زمین کا پیٹ بہتر ہے۔ جو عورت کی عصمت کو سیاست کے روز بازار کا محاورہ سمجھتے اور جن کے لئے جاگتی راتوں کی دلاویز گستاخیوں کے مرحلے میں۔ الصلوۃ خیر من النوم۔ کی صدا ایک نستعلیق گالی ہے۔

ہم سب کے پالنہار میرا درد جنگل کی آگ بن رہا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی آنچ اس درویش کو کروٹ لینے پر آمادہ نہ کر لے جو اس آرزو میں داعی اجل کو لبیک کہہ گیا۔۔۔ کہ "کار جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر" اور جو صبح قیامت کے لئے اس تمنا کے ساتھ محو خواب ہے۔۔۔۔۔

لٹا ہے یارسول اللہ لٹا ہے۔

"چٹان" لاہور۔ ۲۷ر فروری ۱۹۵۶ء

میں ہوں بد نصیب بیٹی

شاہی مسجد لاہور۔